

## خود فریبی کے شکار لوگ

دُنیا میں کسی فرد یا قوم کے لیے اس سے زیادہ آزمائش اور کون سی ہو سکتی ہے کہ اُس کے فکر و نگاہ کے زاویوں کو ہی بالکل اُلٹ کر رکھ دیا جائے اور اس طرح ذمہ داری میں، معائب محاسن میں اور مثالب مناقب میں اُس کے سامنے جلوہ گر ہونے لگیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ پھر یہ تبدیلی بھی متناسب اور متوازن نہیں ہوتی بلکہ انسان کے قلب و دماغ کے اندر ایک ایسا انتشار رُو نما ہوتا ہے، جو اُس کی زندگی کے سارے شعبوں کو متزلزل کر دیتا ہے اور اس کی حیات مستعار کے پورے لمحات ایک قسم کے ذہنی اور اخلاقی بحران میں گزرتے ہیں۔ اس کی ذات سے انسانیت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اُس کی ساری صلاحیتیں اور قلب و دماغ کی پوری قوتیں تخریبی کارروائیوں میں صرف ہوتی رہتی ہیں۔

اس منتشر قلب و دماغ کے اندر چونکہ وہ اخلاقی جرأت ختم ہو جاتی ہے، جو کسی فرد یا قوم کو اعترافِ حقیقت پر ابھارتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی بد اعمالیوں کو برحق ثابت کرنے کے لیے نوعِ انسانی کے اندر ایک مصنوعی برتری کی نمائش شروع کر دیتا ہے۔

اعترافِ گناہ درحقیقت ایک نہایت ہی اُونچا وصف ہے اور اس کی وہ شخص جرأت کر سکتا ہے، جو ذہنی اور قلبی اعتبار سے بالکل تندرست اور توانا ہو۔ ایک بیمار دل کے اندر اتنی طاقت ہی نہیں رہتی کہ وہ اتنا عظیم کام سرانجام دے سکے۔ اس لیے وہ لوگ جو ذہنی اور قلبی عارضوں کا شکار ہوتے ہیں، وہ حق و صداقت کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے استسبار کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کچھ مدت تک اس دھوکے میں مبتلا رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ وہ حق کی راہ پر گامزن ہیں۔ کسی میں یہ دم خم نہیں کہ وہ انھیں اُن کی کسی غلط حرکت پر ٹوک سکے۔ چونکہ حق کی منزل ایک کٹھن منزل ہے، اس لیے وہ ہمیشہ اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اُسے ہی لوگ حق سمجھ کر اُس کی بلاچون و چرا پیروی کرنے لگیں، تاکہ کچھ عرصے کے لیے اُن کے جذبہ نخواست کی تسکین ہوتی رہے اور حقائق کی تلخیاں اُن کے قوت و طاقت کے نشے کو اُتار نہ دیں۔

(اشارات، پروفیسر عبدالحمید صدیقی، ترجمان القرآن، جلد ۵۶، عدد ۲، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۱۰-۱۱)